

قانون نہیں، عدل کی حکمرانی چاہیے!

حنیف چپ چاپ میرے دفتر میں کھڑا تھا۔ میلے کچلے کپڑے، سر پر میلا سا صافہ اور بڑی ہوائی چپل پہن رکھی تھی۔ بے ترتیب بال اور عجیب سی داڑھی تھی۔ بغیر بولے ہوئے معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف غریب ہے بلکہ مفلسی کی چکی میں پس رہا ہے۔ چہرے پر گہری جھریاں موجود تھیں۔ لگتا تھا کہ زندگی کی مصیبت نے اسکے چہرے پر متعدد مستقل نشان ڈال دیے ہیں۔ اتنے گھرے نشان جن سے جسم تو کیا، روح تک زخمی نظر آتی تھی۔ انتہائی شاستگی سے کہا، کہ آپ بیٹھ جائیں۔ حنیف فوراً فرش پر بیٹھ گیا۔ دوبارہ کہا کہ دفتر میں رکھی کرسی پر تشریف رکھیں۔ حنیف کا جواب تھا کہ صاحب، مسکین آدمی ہوں۔ اس لاکن نہیں کہ کرسی پر بیٹھنے کی ہمت کروں۔ اصرار کرنے پر انتہائی مشکل سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند منٹ کیلئے تکلیف دہ خاموشی سی ہو گئی۔

کیسے تشریف لائے۔ حنیف چپ ہو گیا۔ دوبارہ پوچھنے پر کہا، پیروں افسر نے آپکے پاس بھجا ہے۔ لاہور کی جیل سے آپکے پاس آیا ہوں۔ سوال کیا کس جرم میں جیل گئے تھے۔ اتنی دیر میں باریش پیروں افسر بھی آگیا۔ اسے دیکھ کر حنیف کرسی سے اٹھ کر دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔ چہرے پر خوف طاری ہو گیا۔ اس زمانے میں طالب علم ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ڈپلی سیکرٹری تھا۔ پیروں کے تمام کیسز میرے ذریعے ہوم سیکرٹری کے پاس جاتے تھے۔ حنیف گونگا سا محسوس ہو رہا تھا۔ پیروں افسر نے کہا کہ حنیف کا جیل میں چال چلن بہت بہتر رہا ہے۔ سزا ختم ہونے میں ایک برس رہ چکا ہے۔ اسے پیروں پر رہائی ملنی چاہیے۔ میرا استفسار تھا کہ سزا کس جرم میں ہوئی تھی۔ دو لہرے قتل میں، اس نے دشمنی میں اپنے گاؤں کے دو بندے قتل کر دیے تھے۔ غور سے حنیف کے چہرے کو دیکھا۔ اسکے چہرے پر ایک جاہلانہ سی معصومیت تھی۔ پیروں افسر کی درخواست دو تین دن میں منظور ہو گئی۔ حنیف پیروں پر باہر آگیا۔ جیل سے سیدھا میرے پاس آیا۔ دفتر پہنچ کر پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا کہ سر، میری بات ضرور سن لیجئے۔ مجھے صرف دس منٹ دے دیجئے۔ یہ دس منٹ مجھے آج تک کسی سرکاری افسر، جیلر، نجی یا نکے عملے نے نہیں دیے۔ لبھجے میں صد یوں کاغم تھا۔

حنیف نے اپنی بات شروع کر دی۔ لوڈھراں کا رہنے والا ہوں۔ گاؤں میں موچی کا کام کرتا تھا۔ ایک دن دکان پر اسی گاؤں کا ایک نوجوان آیا۔ کہنے لگا کہ اس کا جوتا خراب ہو گیا ہے۔ جوتا مرمت کرنے کیلئے دو گھنٹے مانگ لیے۔ اتنی دیر میں دکان سے اپنے گھر کسی ضروری کام سے جانا پڑا۔ گھر دکان کے ساتھ ہی تھا۔ واپس آیا تو نوجوان انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے مرمت شدہ جوتا دیدیا۔ بات ختم ہو گئی۔ چار دن کے بعد ایک تھانیدار اور دو سپاہی دکان پر آئے۔ مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ بہت منت کی، پوچھتا رہا کہ میرا جرم کیا ہے؟ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھانے گیا تو گاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ایک غلیظ سی حوالات میں بند کر دیا گیا۔ رات گئے، حوالات سے نکلا گیا۔ دو سپاہیوں نے زبردستی اٹالاٹکا دیا اور ڈنڈوں سے مارنا شروع کر دیا۔ چھینیں مارتارہا۔ مگر کوئی بھی میری فریاد پر کان دھرنے کو تیار نہیں تھا۔ بتایا گیا کہ میں نے قتل کیے ہیں۔ قتل اور میں۔ انکار پر مجھ پر بدترین تشدد ہوا۔ حوالدار کہنے لگا کہ گاؤں میں دو آدمی قتل کیے گئے ہیں اور انہیں ایک نوک دار آلے سے مارا گیا ہے۔ یہ بکسواد کان پر جو تے مرمت کرنے کے استعمال میں آتا تھا۔ فریاد کی، کہ

آلہ ضرور میری دکان کا ہے مگر قتل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ سمجھ سے باہر تھا کہ یہ تیز دھار آلہ جائے وقوع پر کیسے پہنچ گیا۔ بیس دن حوالات میں مجھے جانور بنادیا گیا۔ اسکے بعد ملتان جیل بھیج دیا گیا۔ دو چار ماہ میں عدالت سے حکم نامہ آیا۔ پیشی کیلئے بلا یا گیا۔ بھیج کو لا کھ کہا کہ قتل میں ملوث نہیں ہوں۔ مگر پولیس نے میرے خلاف بڑا مضبوط کیس بنایا تھا۔ جیل کی کوٹھری میں دس قیدی اور بھی تھے۔ وہاں ہر وقت چرس اور شراب کا دور چلتا رہتا تھا۔ جیل کا عملہ رشوٹ لیکر کوٹھری میں ہر منوعہ چیز مہیا کرتا تھا۔ جسکے پاس پیسہ تھا، وہ گھر سے زیادہ آرام میں تھا۔ میرا کیس چلنے شروع ہو گیا۔ جس دن شہادتیں ہوئیں تو وہی نوجوان جو جوتا ٹھیک کروانے دکان پر آیا تھا، میرے خلاف گواہی دینے آیا ہوا تھا۔ ایک دم بجلی کی طرح سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔ جب میں اپنے گھر کی طرف گیا تھا تو اسی شخص نے دکان سے نوک دار سوا چرا یا تھا اور پھر خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ قتل اس نے کیا تھا۔ آلہ قتل کیونکہ میری دکان کا تھا لہذا میرے اوپر جھوٹا کیس بنانے میں حد درجہ آسانی تھی۔ روکر بھج صاحب کو ساری بات سنائی۔ پرمیرے پاس کوئی گواہ، کوئی ثبوت نہیں تھا۔ پولیس کا تفتیشی، مکمل طور پر قاتل کی جیب میں تھا۔ بے گناہ ہونے کے باوجود مجھے سزاۓ موت کا حکم سنادیا گیا۔ ایک ایسا جرم جو میں نے کیا ہی نہیں تھا، اس میں مجھے سخت ترین سزا ہو گئی۔

جیل جا کر حوالات سے چنانی کے قیدیوں کی کوٹھری میں منتقل کر دیا گیا۔ دس فٹ لمبائی اور آٹھ فٹ چوڑائی کے عقوبت خانے میں بارہ قیدی تھے۔ تمام کے تمام اپنی چنانی کا انتظار کر رہے تھے۔ کرہ اتنا تنگ تھا کہ چھ آدمی رات کو لیٹ کر سوتے تھے۔ باقی چھ قیدی دیوار کے ساتھ سہارا لیکر کھڑے رہتے تھے یا بیٹھ جاتے تھے۔ دن میں پھر وہ سو جاتے تھے اور دوسرے قیدی کھڑے رہتے تھے۔ ایسے لگتا تھا کہ میں ایک جانور ہوں اور کسی گھٹیا تھا ان پر بندھا ہوا ہوں۔ ہر لمحہ قیامت تھا اور قیامت بھی ہر لمحہ ظہور پذیر تھی۔ سیشن کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل کی۔ اعلیٰ عدالت میں چار برس کیس چلتا رہا۔ وکیل کے پیسے نہیں تھے۔ گھروالوں نے مکان، ڈھورڈنگر سب کچھ پیچ ڈالا۔ وکیل کی فیس، عدالت کے اہلکاروں کی رشوٹ، جیل میں عملہ کی مٹھی کرم کرتے کرتے، ہر چیز بک گئی۔ ایک دن یوں ملنے آئی تو اس نے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ پوچھا کہ پیسے کہاں سے آئے کہ صاف سترے کپڑوں میں ملبوس ہو۔ میرے لیے پھل اور چند استعمال کی چیزیں بھی لائی۔ عجیب سا لگا۔ بتانے لگی کہ اس نے قرض لیا ہے۔ یقین کر لیا کیونکہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ اعلیٰ عدالتوں نے میری سزاۓ موت کو عمر قید میں بدل دیا۔ دس سال جیل میں سڑتارا رہا۔ میں نے کسی سے بھی بات کرنا چھوڑ دی۔ خاموش رہنے لگا۔ ایک دن گاؤں سے رشتہ دار آیا تو اس نے بتایا کہ میری یوں غلط راستے پر چل پڑی ہے۔ گھر میں مرداً تے جاتے رہتے ہیں۔ قیامت گزر گئی۔ سزاۓ موت کا اتنا افسوس نہیں ہوا تھا جتنا یہ بات سنکردازیت پہنچی۔ خود کشی کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک دن بتایا گیا کہ اب سزا میں صرف ایک سال باقی رہ گیا ہے۔ میری مسلسل خاموشی کو تصور کیا گیا کہ میرا چال چلن بہتر ہے۔ اب پیروں پر باہر آ گیا ہوں۔ ایک سال بعد آزاد ہو جاؤ نگا۔ ہاں، گاؤں گیا تھا۔ میری یوں نے نقل مکانی کر لی ہے۔ کہاں گئی ہے، کسی کو کچھ پہنچ نہیں۔ ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ حادثہ کا شکار ہو کر دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔ اب میرے پاس نہ کوئی ٹھکانہ ہے اور نہ جینے کی کوئی وجہ۔ پیروں افسر نے کہا کہ تمہیں کسی سرکاری افسر کے گھر کام پر کھوادیتا ہوں۔ تھواہ بھی ملتی رہیگی اور دو وقت کی روٹی بھی۔ قصہ کوتاہ یہ کہ حنیف ہوم ڈیپارٹمنٹ کے ایک سینئر افسر کے

گھر ایک سال کام کرتا رہا۔ ایک برس کے بعد ملنے آیا، تو بے حد افسردہ تھا۔ کہنے لگا کہ سر، مجھے جیل واپس بھجوادیں۔ میں اس نا انصاف معاشرے میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ چند فقرے کہنے کے بعد، واپس چلا گیا۔ اسکے بعد حنفی کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ کہاں گیا، کہاں رہ رہا ہے۔ کچھ بھی معلوم نہیں۔ یہ تقریباً پندرہ برس پہلے کا سچا واقعہ ہے۔

حنفی کا خیال میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا۔ مگر عجیب بات ہے کہ چند ماہ سے ٹوٹی وی پر ہر طرح کے سیاسی قائدین، ممتاز قانون دان اور دانشور مسلسل ایک ہی جملے مسلسل کہے جا رہے ہیں۔ ہر کوئی قانون کی حکمرانی کی بات کر رہا ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ اگر ملک میں قانون کی حکمرانی آگئی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا۔ ایک انقلاب برپا ہو جائیگا۔ جب بھی کسی قانونی گروکی یہ بات سنتا ہوں، تو حنفی ایک دم چھلانگ لگا کر میرے سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ قانون نے اسے بے گناہ ہونے کے باوجود سزاۓ موت دی۔ پھر عمر قید میں بدل گئی۔ اسکا خاندان بر باد ہو گیا۔ بیوی مجبوری میں ایک ایسے راستے پر گامزن ہو گئی جو دنیا کے قدیم ترین پیشہ کی طرف جاتا ہے۔ اس راستے پر جانے کیلئے اس عورت کو کس نے مجبور کیا۔ ہمارے موجودہ قانون کے علمبرداروں، رکھوالوں اور محاذین کے عملی روپوں نے۔ حنفی کی زندگی بر باد ہو گئی۔ ایک دہائی سے زائد کال کوٹھری میں رہا۔ جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ سب کچھ عین قانون کے مطابق ہوا۔ دیکھا جائے تو حنفی کے ساتھ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں ہوئی۔ ایف آئی آر، موجودہ قانون کے تحت ہوئی۔ پولیس نے تنقیش بھی اپنے مروجہ قوانین کے حساب سے کی۔ عدالت کے متصفین نے بھی قانون کی موٹی موٹی کتابوں میں درج روزہ اور قوانین کو مدد نظر رکھتے ہوئے مکمل میرٹ پر سزادی۔ جیل کی کال کوٹھری میں بھی حنفی کو ضابطے کے مطابق قید رکھا گیا۔ پیروں بھی مکمل طور پر مروجہ اصول کے حساب سے تھی۔ مگر دل پر ہاتھ رکھ بتائیے کہ کیا واقعی یہ سب کچھ ٹھیک ہوا۔ کیا یہ سب کچھ ایک قانونی جرم نہیں تھا۔ طالب علم کی دانست میں قانون کے حساب سے سب کچھ ہوا، مگر انصاف نہیں ہوا۔

در اصل مرکزی کہتے ہی انصاف ہے۔ اگر سماج میں ادارے عدل کر رہے ہیں۔ لوگوں کو انکے جائز حقوق دلوار رہے ہیں۔ مسائل حل کر رہے ہیں۔ جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ مان رہے ہیں تو پھر ہر چیز ٹھیک ہے۔ ہم تمام لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ اصل جو ہر تو عدل ہے، قانون نہیں۔ قانون کی حکمرانی تو ظلم کی بنیاد بن سکتی ہے۔ حنفی جیسے لاکھوں آدمی قانون کی حکمرانی کے ذریعے ہی بر باد ہوئے ہیں۔ اس فقرے کو متروک کر دینا چاہیے۔ ہمیں قطعاً قطعاً قانون کی حکمرانی نہیں چاہیے۔ ہم تمام لوگ عدل کی حکمرانی کے طالب ہیں۔ ہمیں انصاف کی چھتر چھایہ چاہیے۔ باقی سب کچھ بیکار سے ادنی نعرے ہیں۔ انکی کوئی عملی حیثیت نہیں۔ قانون کی حکمرانی ایک فریب ہے۔ ہے کوئی جو اسکے خلاف نعرہ لگائے اور لوگوں کیلئے صرف اور صرف انصاف مانگے! مجھے اس نعرے کا انتظار ہے!

راوی منظر حیات